د: آسمان پر کہکشاں اور ستارے کس امر کی دلیل ہیں؟

جواب: آسمان پر کہکشاں، چاند اور ستارے خالق کائنات کے وجود کی دلیل ہیں۔

2: تراکیب کے معانی لکھیے۔

غبارِ راہ، تگ و پو، نقشِ قدم، نیرِ تاباں، سرِ راہ، شوخیِ رفتار

جواب: تراکیب کے معانی ملاحظہ کیجیے:

○ **غبارِ راہ:** راستے کی گرد ○ **تگ و پو:** دوڑ دھوپ، جستجو ○ **نقشِ قدم:** قدم کا نشان

○ **نیرِ تاباں:** چمکتا سورج ○ **سرِ راہ:** راستے پر، راستے میں ○ **شوخیِ رفتار:** البیلی چال

3: اس نظم کا مرکزی خیال بیان کیجیے جو چار پانچ سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

جواب: دیکھیے نظم کا مرکزی خیال۔

4: کالم الف اور کالم ب میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم ج میں لکھیے:

کالم (الف)	کالم (ب)	کالم (ج)
رگڑ کا نشان	تگ و پو	سانپ
نشانِ ہلال نما	حسن کے دھارے	سوار
غبارِ راہ	سانپ	تگ و پو
نقشِ قدم	راہرو	راہرو
تارے	سوار	حسن کے دھارے
راہ	کاہکشاں	کاہکشاں

5: اس نظم کے آخری تین شعروں کی تشریح کیجیے۔

جواب: اشعار کی تشریح دیکھیے۔

☆☆☆

سید ضمیر جعفری ——— (1918ء-1999ء)

شاعر کا تعارف: ضمیر جعفری ضلع جہلم کے چک عبدالحق میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جہلم ہی سے پائی، پھر گورنمنٹ کالج اٹک، اور اسلامیہ کالج لاہور میں بھی زیر تعلیم رہے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد فوج میں بھرتی ہو گئے۔ شعر و ادب سے دلچسپی بچپن ہی سے تھی۔ فکاہی جریدے ''شیراز'' اور روزنامہ ''احسان'' لاہور کے لیے بھی کام کیا۔ پاک فوج کے ترجمان ''الہلال'' کے مدیر رہے۔ ضمیر جعفری کو بیسویں صدی کے نصف آخر کا اہم ترین اور نمائندہ مزاح گو شاعر کہا جا سکتا ہے۔ ان کی شاعری میں طنز کا عنصر کم ہے اس لیے یہ معاشرے کے ہر طبقہ کو ہنسانے کی بے مثال صلاحیت رکھتی ہے زندگی کے بوجھ تلے دبے، سسکتے، بلکتے ہوئے انسانوں کے ہونٹوں

کو مسکراہٹ بخشنے کا ہنر ضمیر جعفری خوب جانتے ہیں۔ وہ روز مرہ زندگی سے اپنے موضوعات چنتے ہیں۔ عام سے واقعات کے مضحک پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کا خوبصورت اندازِ بیان قاری کو گدگداتا ہے۔ ان کی مزاحیہ شاعری اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا لہجہ بڑا باوقار ہے۔ وہ مزاح پیدا کرنے کے لیے لفظوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں نہ انہیں مختلف زبانوں کو باہم آمیز کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ صاف اور شستہ اردو میں شعر کہتے ہیں۔ پرلطف باتیں پرلطف انداز میں قاری تک پہنچا کر ا ۔ ہنسنے کا بھرپور موقع دیتے ہیں۔ ان کی شاعری اردو کے مزاحیہ ادب کا سرمایہ ہے۔

6۔ سیّد ضمیر جعفری۔۔۔ آدمی

مرکزی خیال

دورِ جدید کا انسان مادہ پرست ہے۔ اب عزت کا معیار علم نہیں، پیسہ ہے۔ اولادِ آدم میں انسانیت نہیں ملتی۔ بیمار اور کمزور لوگوں کو حسین سمجھا جاتا ہے۔ علم اور سائنسی ترقی کے باوجود انسان پریشان ہے۔ آج کا انسان مجموعہ تضادات ہے۔ وہ غیروں کی تقلید کے مرض میں مبتلا ہے۔

شعر 1: **تھا کبھی علم آدمی، دل آدمی، پیار آدمی**
آج کل زر آدمی، قصر آدمی، کار آدمی

نثر: کبھی آدمی علم، قلبی جذبات اور محبت کو ترجیح دیتا تھا۔ آج کل روپے پیسے، محل اور کار کو فوقیت حاصل ہو گئی ہے۔
تشریح: سید ضمیر جعفری بیسویں صدی کے مشہور مزاح گو شاعر ہیں۔ نظم آدمی کے پہلے شعر میں انہوں نے دورِ جدید میں انسان کی بدلتی ہوئی ترجیحات کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ماضی میں آدمی علم دوست تھا۔ قلبی جذبات کی اہمیت کو سمجھتا تھا۔ زندگی میں محبت اور پیار کے پھول کھلاتا تھا۔ اسی لیے ماضی کے انسان کی زندگی میں مسائل کی وہ بہتات نہ تھی جو آج ہمیں نظر آتی ہے۔ ہمارے بزرگ سادہ زندگیاں گزارتے تھے۔ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کو اہمیت دیتے تھے اسی لیے ماضی کا معاشرہ بہتر معاشرہ تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ صاحبانِ علم کی عزت کی جاتی تھی۔ دورِ جدید اخلاقی اقدار کی موت اور زر پرستی کا دور ہے۔ اسی لیے ضمیر جعفری نے کہا ہے کہ ماضی کا علم دوست آدمی آج اپنی محبت کا رُخ مال و دولت کی طرف موڑ چکا ہے۔ اسے یہ بھی احساس نہیں کہ دولت خرچ کی جائے تو کم ہوتی ہے۔ علم تقسیم کیا جائے تو بڑھتا ہے۔ ماضی میں قلبی جذبات کی اہمیت تھی۔ آج سب جذبات کوٹھی کے حصول پر قربان کر دیئے جاتے ہیں۔ ماضی میں پیار اہم تھا لیکن آج کار اہم ہے۔ یہ تضاد انسان کے فکری اور جذباتی تنزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ آج کا انسان ترقی یافتہ ہے، خوشحال ہے، پُرآسائش زندگی گزار رہا ہے لیکن انسانیت کے رُتبے کو کھو رہا ہے۔ اخلاقی اقدار سے دستبردار ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج لوگ صاحبِ علم کی عزت کرنے کے بجائے صاحبِ زر کو سلام کرتے ہیں۔ آج ہر سرمایہ دار معزز ہے۔ اس کی عزت کرنے والے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اس نے روپیہ سمگلنگ سے کمایا

ہے یا منشیات فروشی کی ہے۔ دَورِ جدید میں آدمی وہی ہے جس کے پاس پیسہ، کوٹھی اور کار ہے۔

شعر 2: کلبلاتی بستیاں، مشکل سے دو چار آدمی
کتنا کم یاب آدمی ہے، کتنا بسیار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **کلبلاتی بستیاں:** گھنی آبادی والی بستیاں ○ **بسیار:** زیادہ، بے انتہا۔

نثر: گھنی آبادی والی بستیوں میں بمشکل دو چار آدمی ملتے ہیں۔ آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان کم یاب ہیں۔

تشریح: ضمیر جعفری نے بہت فکر انگیز بات انتہائی سادہ اور بے تکلف لہجے میں کہی ہے۔ وہ یہ حقیقت بیان کر رہے ہیں کہ ہر آدمی انسان نہیں ہوتا۔ اولادِ آدم ہونا ایک الگ بات ہے اور انسانیت کے رُتبے پر فائز ہونا بالکل دوسری بات۔ ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ گنجان آباد علاقوں میں ہزاروں لاکھوں آدمی رہتے ہیں لیکن انسان کو تلاش کرنا شروع کریں تو مایوسی ہوتی ہے۔ شہر بھر میں بمشکل دو چار انسان ہی ملتے ہیں۔ آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان کتنا کمیاب ہے۔ یونانی فلسفی دیوجانس کلبی دن میں چراغ لے کر گھوم رہا تھا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو بولا مٹی کے بتوں میں سے انسان تلاش کر رہا ہوں۔ انسان دراصل شعور، آگہی، علم، ادراک، درد، احساس اور بندگی کا مجموعہ ہے۔ یہ خصوصیات نہ ہوں تو پیکرِ خاکی کو آدمی تو کہا جا سکتا ہے، انسان نہیں۔

شعر کے پہلے مصرع میں ''دوچار ہونا'' کو سامنا کرنا کے معنی میں لیا جائے تو ایک مختلف مفہوم سامنے آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ گھنی آبادیوں کے باوجود آدمی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کے ہم جنس اس کی کوئی مدد نہیں کرتے کیونکہ وہ احساس کی دولت سے محروم ہیں۔ دوسرے کو مشکل میں دیکھ کر خاموش تماشائی کا کردار ادا کرنے والے یہ لوگ انسان نہیں۔ گھنی بستیوں میں آدمیوں کی بہتات ہے لیکن انسان بہت کم ہیں۔

شعر 3: پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب، پتلی کمر
جتنا بیمار آدمی، اتنا طرح دار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **طرح دار:** بانکا، سجیلا، وضع دار۔

نثر: آج کل پتلی گردن، پتلے ابرو، پتلے لب اور پتلی کمر حسن کی علامت ہے۔ کوئی جتنا بیمار دِکھائی دے اسے اتنا ہی خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔

تشریح: ضمیر جعفری نے دَورِ جدید کے معیارِ حسن کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ماضی میں اچھی صحت اور حسن کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا تھا۔ صحت مند آدمی ہی حسین آدمی کہلاتا تھا لیکن آج کل کا معیارِ حسن بالکل الگ ہے۔ ''سمارٹ'' نظر آنے کے چکر میں ہمارے نوجوانوں سے عجیب و غریب حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔ ہر طرح کی نعمتیں میسر ہیں لیکن نوجوانوں نے ''ڈائٹنگ'' کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ دودھ دہی سے پرہیز ہے کہ وزن نہ بڑھ جائے۔ کوئی پھل کھاتا ہے تو پہلے ''کیلوریز'' کا حساب لگاتا ہے۔ کبھی نوجوانوں کی خوش خوراکی کے قصے مشہور ہوا کرتے تھے۔ آج کل ''بے خوراکی'' کی کہانیاں سننے کو ملتی ہیں۔ ہر نوجوان باریک سے باریک تر نظر آنا چاہتا ہے۔ نزاکت صرف

لڑکیوں سے مخصوص نہیں رہی بلکہ لڑکے بھی خود کو نازک بنانے کے جنون میں مبتلا ہیں۔ ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ نوجوانوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ان کی گردن، ابرو، ہونٹ اور کمر پتلی ہو جائے۔ ان کا وزن کم سے کم ہو جائے کیونکہ دورِ جدید میں بانکا، سجیلا اور حسین اسی کو سمجھا جاتا ہے جو شکل سے بیمار نظر آئے، جو جتنا بیمار نظر آئے گا، اتنا ہی حسین سمجھا جائے گا۔

شعر 4: **زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی**
کتنا اُونچا لے گیا جینے کا معیار آدمی

نثر: دورِ جدید کا آدمی معیارِ زندگی کو اتنی بلندی پر لے گیا کہ زندگی نیچے کہیں منہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

تشریح: نظم کے چوتھے شعر میں بھی ضمیر جعفری نے پہلے شعر کی طرح جدید دور میں بدلتی ہوئی اخلاقی اقدار کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی ترقی نے اس کی زندگی کو پُر آسائش تو بنا دیا ہے لیکن زندگی کا اصل حسن چھین لیا ہے۔ اصلِ حیات یہ ہے کہ انسان اپنے آس پاس رہنے والے کے کام آئے۔ اپنے رشتہ داروں، عزیزوں کا خیال رکھے۔ اپنے سے نچلے طبقے کی محرومیاں دور کرنے کی کوشش کرتا رہے، جب تک انسان کا اپنی زمین سے رشتہ اور اپنے ماحول سے رابطہ قائم رہتا ہے، وہ یہ سب اچھے کام کرتا رہتا ہے لیکن پھر ترقی کا شوق اسے زمین کی سطح سے اُوپر اُٹھانے لگتا ہے۔ اس کا معیارِ زندگی مائل بہ پرواز ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اپنی زمین سے کٹ جاتا ہے۔ چھوٹے محلوں میں رہنے والے ایک دوسرے کے ہر دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جدید آبادیوں کے بڑے بڑے بنگلوں کے رہائشیوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پڑوس میں کون رہتا ہے۔ یہ سرمایہ دار طبقہ اپنے گردوپیش سے بالکل لاتعلق ہو جاتا ہے۔ امرا کے اس طرزِ زندگی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے ضمیر جعفری کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے معیارِ زندگی کو اُونچائی پر لے گئے لیکن زندگی کو اس کے حُسن سے محروم کر دیا۔ معیارِ زندگی اتنا بلند ہو گیا کہ اصل زندگی کہیں نیچے منہ دیکھتی رہ گئی۔

شعر 5: **عمر بھر صحرا نوردی کی مگر شادی نہ کی**
قیس دیوانہ بھی تھا کتنا سمجھ دار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **صحرا نوردی:** صحراؤں میں مارے مارے پھرنا ○ **قیس:** مشہور عاشق مجنوں کا اصل نام، یہ بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا اور لیلیٰ کا عاشق تھا۔

نثر: مجنوں عمر بھر صحراؤں کی خاک چھانتا رہا مگر شادی نہ کی۔ وہ دیوانہ کتنا سمجھ دار آدمی تھا۔

تشریح: ضمیر جعفری نے تلمیح کے استعمال سے پُر لطف مضمون پیدا کیا ہے۔ قیس لیلیٰ کے عشق میں جنون کی حد تک پہنچا تو دُنیا نے اسے مجنوں کہا اور آج تک اسے اسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سچے عاشق کو شادی کرنے اور گھر بسانے کا ہوش ہی کہاں تھا جو اس طرف متوجہ ہوتا لیکن ہمارے شاعر کا خیال ہے کہ قیس کی دیوانگی دراصل فرزانگی تھی۔ وہ مجنون نہیں تھا بلکہ بہت سمجھ دار آدمی تھا۔ اسی لیے عشق کے پردے میں شادی کے جھنجھٹ سے بچا رہا۔ عمر

پھر صحراؤں کی خاک چھانتا رہا لیکن گھر نہ بسایا کیونکہ جانتا تھا کہ صحرانوردی آسان ہے لیکن بیوی کے نخرے اٹھانا اور بچے پالنا مشکل۔ آج کل مہنگائی کا زمانہ ہے۔ عوام کی اکثریت کے لیے گھر بسانا اور گھر چلانا بہت بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔ دال روٹی کے اخراجات پورے کرنا آسان نہیں رہا۔ ضمیر جعفری نے ان زمینی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہی شادی کرنے والوں کو نا سمجھ کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیس اتنا بھی مجنوں نہیں تھا کہ شادی کر کے اپنی ''اچھی بھلی'' عاشقانہ زندگی کو مصیبت میں ڈال لیتا اسی لیے وہ صحرانوردی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس نے شادی نہ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ بہت سمجھ دار آدمی ہے۔ وہ بیوی کی فرمائشوں اور سسرال کے چکروں سے محفوظ رہا جو اس کی سمجھداری کی دلیل ہے۔

شعر 6: دانش و حکمت کی ساری روشنی کے باوجود
کم ہی ملتا ہے زمانے میں کم آزار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **دانش:** عقل ○ **حکمت:** دانائی ○ **کم آزار:** کم مسائل والا۔

نثر: دنیا میں عقل اور دانائی کی روشنی پھیلنے کے باوجود انسان کے مسائل اور مصائب میں کمی نہیں ہوئی۔

تشریح: دورِ جدید کا انسان علم، سائنس اور ٹیکنالوجی کی انتہاؤں کو چھو رہا ہے۔ اس کے باوجود انسان کی زندگی غموں، دکھوں اور محرومیوں سے عبارت ہے۔ ضمیر جعفری نے اس سنجیدہ مضمون کو خوبصورت لہجے میں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آج کا زمانہ علم و دانش کی روشنی کا زمانہ ہے۔ انسان فضاؤں کی بلندیوں اور سمندروں کی گہرائیوں کو تسخیر کر چکا ہے۔ اس نے چاند کے سینے پر اپنا نقش قدم ثبت کر دیا ہے۔ وہ فاصلوں کو سمیٹ چکا ہے۔ رابطوں کی دنیا آباد کر چکا ہے۔ سائنسی علوم میں اس کی مہارت نے زندگی کو بہت پُر آسائش بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں، جسے دیکھو وہ ناآسودہ ہے۔ ہر کسی کے پاس مسائل کی فہرست ہے۔ ہر کوئی شکوہ کناں ہے۔ زمانے میں ایسے انسان بہت کم ملتے ہیں جن کی زبان پر شکوے کے بجائے شکر ہو۔ ضمیر جعفری نے مادیت پرست دور کے انسان کے ناشکرے پن کو واضح کیا ہے۔ ماضی کا انسان آج کے انسان کے مقابلے میں کم تعلیم یافتہ تھا، اس کی زندگی سہولیات سے عاری تھی۔ وہ ان آسائشات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جو آج ہر عام آدمی کو میسر ہیں۔ اس کے باوجود ماضی کا انسان مطمئن اور آسودہ تھا۔ خوش تھا۔ آج کے انسان نے جسمانی اور مادی طور پر ترقی کر لی ہے لیکن اس کی روح مردہ ہو چکی ہے۔ اسی لیے ہر شخص غیر مطمئن اور ناآسودہ ہے۔

شعر 7: دل رہینِ صومعہ، دستار رہنِ میکدہ
تھا ضمیر جعفری بھی اک مزیدار آدمی

مشکل الفاظ کے معانی: ○ **رہین:** جو چیز رہن رکھی جائے ○ **صومعہ:** گرجا، چرچ ○ **رہن:** گروی رکھنا ○ **مے کدہ:** شراب خانہ۔

نثر: ضمیر جعفری پُر لطف طبیعت کا مالک تھا۔ اِس کا دل گرجا گھر میں انکار رہتا تھا جبکہ دستار شراب خانے میں گروی رکھی ہوئی تھی۔

تشریح: ضمیر جعفری بظاہر اپنی ذات پر طنز کر رہے ہیں لیکن اصل میں وہ آج کے دور کے عام انسان کی زندگی کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ وہ بتا رہے ہیں کہ ہمارے معاشرے کا عام فرد کس ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے ذہنی رویے اور قلبی میلانات کس طرح تبدیل ہو رہے ہیں اور اس کے اعمال میں کیسے تضادات ظاہر ہو رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرا دل تو گرجا گھر میں رہن رکھا ہوا تھا لیکن دستار میں نے اس دہلیز پر قربان نہیں کی بلکہ اسے شراب خانے میں گروی رکھ دیا۔ اس طرح میں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ چرچ کی نذر کر دیا اور کچھ مے کدے پر دار دیا۔ زندگی کی یہ تقسیم قابل تعریف یا مثالی نہیں لیکن ہم اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں شاعر جیسے لوگوں ہی کی اکثریت دِکھائی دیتی ہے جو اپنی دستار یعنی عزتِ نفس دنیاوی آسائشات کی خاطر داؤ پر لگا چکے ہیں اور دِلوں میں مغرب کی محبت کا روگ پالے بیٹھے ہیں۔ اپنی ان خصوصیات کا ذکر کرنے کے بعد شاعر نے خود کو "مزیدار آدمی" کہہ کر طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ضمیر جعفری غیر صحت مند ذہنی اور قلبی رجحانات رکھنے والے طبقے کو آئینہ دِکھا رہے ہیں۔ شعر فکر انگیز بھی ہے اور پُر لطف بھی۔

شعر 8: پہلے کشتی ڈوب جاتی تھی نظر کے سامنے
اب گرے گا بحرِ اوقیانوس کے پار آدمی

نثر: ماضی میں کشتی نظروں کے سامنے ڈوب جاتی تھی لیکن اب انسان بحرِ اوقیانوس کے پار یعنی امریکہ میں جا کر گرے گا۔

تشریح: نظم "آدمی" کے آخری شعر میں ضمیر جعفری نے ذہنی غلامی اور اندھی تقلید کا نتیجہ بیان کیا ہے۔ دورِ جدید میں تقریباً ساری دُنیا امریکہ کو اپنا آئیڈیل تسلیم کرتے ہوئے اس کی ہر ادا کی نقل کرنے میں مصروف ہے۔ ماضی میں سیدھی سادی زندگی گزارنے والے بھی اب جینز اور فاسٹ فوڈ کلچر کو اپنانے میں فخر محسوس کر رہے ہیں۔ سپر پاور کی ترقی نے سب کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔ ضمیر جعفری اقوامِ عالم کو خبردار کر رہے ہیں کہ اس رویے کے نتیجے میں انسان بحرِ اوقیانوس کے پار جا کر گرے گا یعنی امریکہ پرستوں کی اُڑان انہیں امریکی زمین پر پٹخ دے گی۔ ماضی میں بھی مختلف معاشرے شکست وریخت کا شکار ہوتے رہے ہیں لیکن ان کا زوال ایسا تھا کہ ملبے سے دوبارہ تعمیر ہو سکتی تھی۔ ان کی کشتیاں ان کی نظروں کے سامنے ڈوبتی تھیں لیکن آج اپنی قومی شناخت سے دستبردار ہو کر ترقی کی بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز معاشرے جس نامحسوس شکست وریخت کا شکار ہیں وہ اتنی مکمل اور شدید ہے کہ تعمیرِ نو بھی ممکن نہیں ہو سکے گی۔ بحرِ اوقیانوس کے پار گرنے والا آدمی کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ امریکہ پرست اپنی شناخت کھو دیں گے اور دنیا سے ان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔